Rooh-e-Tahqeeq, Vol.03, No.01, Serial No. 07, January-March 2025

اختر شیرانی کی نظم نگاری: جمالیاتی تناظر

Akhtar Shirani's Poem Writing: Aesthetic Perspective

Bushra Sheerin
PhD Research Scholar (Urdu), Minhaj University Lahore
bushrasheereen99@gmail.com

Prof. Dr. Muhammad Fakhar ul Haq Noori
Dean, Faculty of Languages, Minhaj University Lahore
dean.languages@mul.edu.pk

Abstract:

The renowned Urdu poet Akhtar Shirani, had a rare way of seeing beauty in everything around him. This sense of uniqueness was reflected in both his life and poetry. His poetry was packed with love for Salma, Rehana, and later for anyone who touched his heart. He found poetry in everything, from a woman’s grace to the landscape of a homeland. His words addressed the rivers like Nile, expressed love for cities, and even mourned the loneliness of a grave where a beloved poet was resting. In his poetry, nature was not just a scenery; it was alive and full of his own emotions. Shirani was a dreamer, a lover, and a poet who lived through his words, always weaving love, desire, and beauty together. This article is an effort to cover all these aesthetic aspects.

Keywords:
Love, Salma, Rehana, Nature, Beauty), Poetry, Homeland, Nile of Cleopatra, Grave, Desire

انسان کو فطرت کے حسن وجمال سے ایک دائمی تعلق ودیعت کیا گیا ہے۔ اسی لیے وہ جب جب فطری مظاہر کے قریب رہا اس کی جادوانی محبت سے سرشار رہا۔ اول تو وہ اس سرسبز وشاداب شب وروز سے باہر ہی نہیں آنا چاہتا تھا اور جب اسے باہر آنا پڑا تو وہ اپنے تخیل کی لوح پر ان مناظر کی ایک تصویر کندہ کرلایا۔ اور پھر ان مناظر کو مختلف طریقوں سے رنگ وآہنگ اور حرف وصوت کی مدد سے بیان کرنے لگا۔ شعر وسخن، مصوری، موسیقی اور خطاطی وغیرہ انسان کی اسی زمانے کی بازگشت کا اظہار ہیں۔ فطرت کے حسن سے دوری ایک حساس انسان کو الجھا دیتی ہے۔ اسی لیے وہ اس زمانے میں حسن کی تلاش میں سرگرداں رہا ہے۔ گویا وہ حسن کا عاشق بھی رہا اور محبوب بھی۔ اس لیے وہ تخیل کے ان گوشوں سے ایک خیال کشید کرلاتا کہ جس سے وہ خود بھی شعوری طور پر واقف نہ تھا۔ گویا اس نے اس خیال کو شعر میں ڈھال دیا، یا نظم کی صورت اسکا اظہار کردیا۔ حسن سے متاثر ہونا اور اسکو اپنا سمجھنا انسان کی فطری مگر ازلی عادت ہے۔ اسی لیے جمالیات شعر وادب کی دنیا کے لیے کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ جمالیات میں نہ صرف حسن وجمال کی پراسرار مگر لطیف پہنائیوں کو دیکھا، سمجھا اور پرکھا جاتا ہے بلکہ حسن وقبح کے معیار کے اصول وضوابط کی جانچ پرکھ بھی ہوتی ہے۔ گویا جمالیات حسن وجمال اور فنکاری کا فلسفہ ہے۔ ابولااعجاز حفیظ صدیقی نے کشاف تنقیدی اصطلاحات میں جمالیات کی تعریف یوں تحریر کی ہے:

> ”جمالیات سے مراد ارباب فلسفہ کے وہ نظریات ہیں جو حسن اور اس کے کوائف و مظاہر (جن میں فنون لطیفہ بھی شامل ہیں) کی تحقیق وتشریح میں پیش کیے گئے ہیں۔“ (۱)

بام گارٹن نے جمالیات کو یوں بیان کیا ہے۔ وہ کہتا ہے:

"جمالیات سے مراد ایسا حسی علم ہے جو حسن کی تخلیق کرتا ہو" (۲)

اسی طرح انور جمال اپنی کتاب ادبی اصطلاحات میں "جمال اور جمالیات" کے بارے میں لکھتے ہیں:

"کسی فن پارے کا وہ تاثر جو اس کو دیکھنے، سننے، پڑھنے یا محسوس کرنے کے بعد روح انسانی میں ایک پر مسرت رنگ پیدا کر دیتا ہے، جمال ہے۔" (۳)

گویا حسن و جمال انسان کی روح کی تسکین کا باعث بنتا ہے اور یہ حسن اسے کہیں سے بھی اپنی جانب متوجہ کر لیتا ہے۔ اچھی نظم مناسب چہرہ اور انسانی اعضا میں تناسب، حسن کے اظہار کے لیے کافی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شعرا نے حسین چہرے کے خدوخال یا کسی حسین منظر کو دیکھ کر شعر کہے۔ اردو نظم کو برصغیر میں ڈاکٹر لائٹنر کی تشکیل کردہ انجمن پنجاب، لاہور میں جلاء ملی۔ اس انجمن میں موضوعاتی مشاعروں کی طرح پڑی جس کی وجہ سے برصغیر کے شعراء کو ایک راہ ملی کہ وہ اپنے خیال کو ایک خاص موضوع کے تابع تحریر کر سکتے ہیں۔ الطاف حسین حالی، مولانا محمد حسین آزاد، نظ شبلی، مولانا ظفر علی خان اور اقبال جیسے شعراء نے بیسویں صدی کے نظم نگاروں کی ادبی پرورش کی۔ انہی نابغہ روزگار شعراء کے تتبع میں اردو نظم نے علمی، ادبی، فکری اور جمالیات سے متعلقہ موضوعات سے اپنا دامن وسیع تر کر لیا۔ بیسوی صدی کے نظم گو شعراء میں اختر شیرانی نے اس شعری سرمائے میں سے اپنے لئے رومانوی رنگ منتخب کیا اور "شاعر رومان" کہلائے گئے۔ اختر شیرانی نے رومانی رنگ میں ہی لکھا جو بھی لکھا خواہ وہ وطن سے محبت ہے یا مہاجر کی اپنے پنگھٹ سے محبت ہے۔ فطرت سے محبت ہو یا انسانی اخلاقیات کا حسن ہو، عورت سے محبت ہو یا عورت کے حسن و جمال سے محبت، غرض حسن و عشق کی تمام منزلیں درجۂ کمالِ جمالیات کو دان کر دیں۔ اختر شیرانی کی نظم میں جمالیاتی فکر و احساس ان کے جمیل تخیل کی دین ہے۔ اختر نے بالعموم حسن کو اور بالخصوص عورت کے حسن اور ادا کو اپنی نظم میں پرویا۔ "اردو ادب میں رومانوی تحریک" میں محمد حسن لکھتے ہیں:

"عورت کا حسن، اسکی محبت، اختر کے نزدیک خلاصہ کائنات ہے۔" (۴)

اس طرح اختر شیرانی حسن کو معصومیت کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں۔ شیرانی نے دریاؤں، میدانوں، سبزہ زاروں اور پہاڑوں کے دامن میں رہتے ہوئے انکے جمال کو تحریر کیا۔ نظم "نغمہ زندگی" میں اسی طرح کے اشارے ملتے ہیں:

"بربطِ کائنات پر، نغمہ سرا ہے زندگی ______ ہست نوا ہے زندگی
وادیِ مہر و ماہ تک بال کشا ہے زندگی ______ جلوہ نما ہے زندگی" (۵)

گویا اختر فطرت کے حسین گوشوں میں ہی اپنے شب و روز گزارنا چاہتے ہیں مگر ساتھ ہی ساتھ وہ سلمٰی کے ساتھ سے ان لمحوں کے رنگ کو دو آتشہ کرنے کی لگن میں ہیں۔ ان کے نزدیک زندگی کے خوابوں کی اگر کوئی تعبیر ہو سکتی ہے تو وہ عورت کی حسین ذات ہی ہے۔ اس کے علاوہ سب رطب و یابس ٹھہرا۔ اختر نے عذرا، شیریں، سلمٰی، ریحانہ اور زلیخا کو وہی مقام دیا جو مغربی شاعر کیٹس نے اپنی محبوبہ فینی کو دیا اور جو عربی شاعری میں عرب کی بنت عم مقام رکھتی تھی۔ اختر نے سلمٰی کا نام بھی فرضی ہی رکھا تاکہ محبوبہ کی عزت و احترام برقرار بھی رہے اور دنیا بھی اسکی خوشبو سے متعارف ہو جائے۔ اسی جمالیاتی رو کے تحت نظم "سلمٰی" بھی تحریر کی، وہ لکھتے ہیں:

"بہارِ حسن کا تو غنچۂ شاداب ہے سلمیٰ

تری صورت سراسر پیکرِ مہتاب ہے سلمیٰ_____ ترا جسم اک ہجومِ ریشم و کمخواب ہے سلمیٰ

ربابِ حسن کا تو اک الہامی ترانہ ہے

پرستانِ لطافت کی تو اک رنگیں کہانی ہے!

جوانِ فطرت کا تو اک گمشدہ خوابِ جوانی ہے!"(٦)

بہار کا حسن، نرمی، خوشبو اور لطافت جیسی مجرد چیزیں سلمیٰ کے جسم میں آن اتریں۔ سلمیٰ حسن و جمال کا ایسا شاہکار ہے جس کو تخلیق کرتے ہوئے قدرت کے ہاتھوں میں بھی تخیل کا جمال تھا۔ پرستان سے اتر آنے والی حسین سلمیٰ، اختر شیرانی کے جمالیاتی تخیل کا اظہار ہے۔ اسی طرح نظم "ایک تصویر دیکھ کر" میں سلمیٰ کے حسن کو یوں لکھا گیا ہے:

"سراپائے خیالِ حُور، جسم نازنیں تیرا

مجسم خندۂ خوابِ، پری رُوئے حسیں تیرا

یہ موتی یہ جبیں، یہ انجم و مہتاب کا عالم

پریشان خواب کا سا، گیسوئے شب تاب کا عالم_____ بہار اور خواب کا ہیکل تری تصویر ہے سلمیٰ

ادا اس طرح قرضِ رونمائی کچھ تو کر جاؤں

تری تصویر سینے سے لگاؤں اور مر جاؤں" (٧)

حسن سے عشق کی جمالیاتی فضا میں اختر شیرانی اپنی جان بھی محبت کی نذر کرنے سے گریز نہیں کرتے مگر موت بھی ایسی ہو کہ محبوبہ 'سلمیٰ' کی تصویر سینے سے لگی ہو اور یہی لمحہ امر ہو جائے۔ اس دنیا سے دوسری جگہ انتقال ہو تو کم از کم سلمیٰ کے حسین و جمیل پیکر کی تصویر کے ساتھ ہو۔ اختر اور جان کیٹس کے ہاں "لمس" کی شاعری ہے۔ جان کیٹس کی نسبت اختر شیرانی کی شاعری میں لذت پسندی کی شدت دکھائی دیتی ہے۔ مثلاً وہ لکھتے ہیں:

"تمنا و حیا کی کشمکش کیوں کر مٹاؤں گا

میں اس کے یاسمیں پیکر کو کیسے گدگداؤں گا

اور اس کے لعل لب سے کس طرح بوسے چراؤں گا

وہ پھولوں اور ستاروں سے بھی شرمائے گی وادی میں

سنا ہے میری سلمیٰ رات کو آئے گی وادی میں" (٨)

شیرانی نے سلمیٰ کے ساتھ محبت اور اپنائیت کا جس طرح اظہار کیا ہے وہ اس محبت کی چاشنی، اس عشق کا رس دوسری خواتین سے ہونے والی محبت سے جدا ہے۔ لذت پرستی کی شدت اس نظم میں سلمیٰ کے جمالیاتی تجربے کی دین ہے جیسے مندرجہ بالا نظم میں محسوس کیا جا سکتا ہے۔ اختر شیرانی کی سرور محبت میں گندھی اسی شخصیت کو سلمیٰ کے علاوہ اس وادی سے بھی محبت ہوئی کہ جس میں ریحانہ رہتی تھی۔ ریحانہ کے حسن و جمال پہ فریفتہ اختر شیرانی نظم "جہاں ریحانہ رہتی تھی" میں ریحانہ کو کنول کے پھول سے خاص طور پر تشبیہ دیتے ہیں اور نکہت مستانہ بھی کہتے ہیں وہ لکھتے ہیں:

"وہ اس وادی کی شہزادی تھی اور شاہانہ رہتی تھی

کنول کا پھول تھی، سنسار سے بیگانہ رہتی تھی

نظر سے دور مثل نکہت مستانہ رہتی تھی

یہی وادی ہے وہ ہم دم جہاں ریحانہ رہتی تھی "(۹)

ریحانہ کے لیے اختر نے کنول کے پھول کی مثال دی۔ ہندوستانی جمالیات میں کنول کے پھول کو بنیادی اہمیت حاصل رہی ہے۔ عقیدت کے رنگ میں گندھا یہ پھول ایک مقدس حوالہ ہے۔ دیوی، دیوتاؤں کے بتوں میں، مندروں میں، Miniature میں، مصوری میں اس پھول کو بنایا جاتا ہے۔ بالخصوص اس کو لکشمی دیوی کے ساتھ جگہ ملی رہی ہے۔ شکیل الرحمن، ہندوستانی جمالیات میں کنول کے پھول کی اہمیت کو یوں بیان کرتے ہیں:

"کنول، ممتا، محبت اور ماں کے پورے وجود کے رس کی علامت ہے" (۱۰)

اسی لیے کنول کے پھول کو کبھی ماں کے مجسمے کے گلے میں دکھایا جاتا ہے اور کبھی اس کے چرنوں میں اور کبھی اسکی ہتھیلی پر دکھایا جاتا ہے۔ گویا ریحانہ کے ساتھ الفت اور محبت کا جو رنگ تھا اس میں فطری محبت کی آمیزش بھی شامل تھی۔ ایک مہربان کے ساتھ محبت کا رنگ جدا ہے۔ اور یہ 'ریحانہ' کے حوالے سے اختر کی شعری فضا میں ہے۔

برصغیر میں بالعموم اور ہندوستان کے خطے میں بالخصوص عورت کے مجسمے بنانے میں بت گروں نے شعور، لاشعور میں سرائیت کی ہوئی عورت کی محبت کو دیوی، بت اور مجسمے بنانے میں مکمل طور پر صرف کر دیا۔ ہندوستانی جمالیات میں عورت، محبوبہ، محبت، اُنس، قربانی، دھرتی، ماں اور تخلیق کے استعارے کے طور پر لی گئی ہے۔ مصور ہو، شاعر ہو یا مجسمہ ساز، ہر ایک کے فن میں عورت حسن و جمال کا مجسم پیکر بن کر سامنے آتی ہے۔ شکیل الرحمٰن اپنی کتاب "ہندوستانی جمالیات" میں لکھتے ہیں:

"ہندوستان کے جمالیاتی پیکروں میں عورت، تخلیق اور حرکت کی علامت رہی ہے ہندوستانی مابعد الطبیعات کا تقاضا ہی یہی تھا۔ عورت تخلیق کا سرچشمہ اور متحرک یا حرکت کی علامت ہے، محبت، ممتا، شفقت اور زندگی کی اعلیٰ اقدار سے پیار اس کی بنیادی خصوصیات ہیں۔" (۱۱)

اختر شیرانی کے تخیل کی جمالیاتی فضا نے ریحانہ کو ایک الگ تناظر میں تحریر کیا۔ اسی طرح عورت کے حسن کی علامت "قلوپطرہ" کے بارے میں بھی نظم لکھتے ہیں۔ اسکی تصویر دیکھنے کے بعد شیرانی کے شاعرانہ دل پر نیل کی ملکہ نے اپنا کیا رنگ چھوڑا، وہ لکھتے ہیں:

"وادی نیل پہ طاری تھا بہاروں کا سماں!

جلوۂ سبزہ، گل سے تھیں فضائیں شاداب

نشۂ بادِ بہاری سے ہوائیں شاداب ______

______ جلوۂ فطرتِ رنگیں کی تھی تنویر اس میں!

ایک عورت کی پریشان تھی تصویر اس میں!" (۱۲)

اختر نے اس نظم میں ایک تصویر دیکھ کر اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے اور اس نظم میں "تحیر" کی فضا دیکھی جا سکتی ہے۔ تحیر کا اپنا حسن و جمال ہے انسان حیرت کے حسن کی گرفت سے تب باہر نکل پاتا ہے جب حیرت اپنا جادو اس پر ختم کرتی ہے۔ مغربی فلاسفہ و شعرا یوسف و زلیخا، کی کہانی کو بیان کرتے ہیں پھر بھی اس تخلیق کے حسین لمحوں کو اپنی گرفت میں نہیں لا سکے کہ جو ان مناظر میں تخلیق کے عین ان لمحوں میں موجود تھا جب کہ وہ واقع ہو رہے تھے۔ یہی فرق حسن اور حسن

کی تعریف و تشریح کر دینے میں ہوتا ہے۔ اختر نے قلوپطرہ، نیل کی ملکہ کیلئے نظم لکھ کر ایک مختلف جمالیاتی منظر پیش کیا۔

اختر شیرانی نے جہاں فطرت اور فطری مظاہر کے حسن و جمال پر نظمیں لکھیں وہاں انسان کی اپنی ذات کی خودی، بے خودی اور انسانیت جیسی اقدار کو بھی نظم کیا۔ مثال کے طور پر ''انا'' (Ego) کو موضوع سخن بنایا۔ ''انا'' پر خود اپنی ذات کے بارے میں فکری رویہ اپنائے ہوئے دکھایا گیا ہے۔ مثال کے طور پر وہ لکھتے ہیں:

"رعد کی صورت گرجتی ہوں بساط خاک پر
کانپ اٹھتے ہیں سمندر جس سے وہ طوفاں ہوں میں
سینۂ ہستی کی اک فکر شررافشاں ہوں میں
ہیں قدم میرے زمیں پر سر مرا افلاک پر" (۱۳)

شیرانی کی شاعری میں جہاں فطری مناظر، سورج، چاند، ستارے، شعلے، شبنم، شام، رات کے جمال کا بیان جابجا ملتا ہے اور انھوں نے درخت، بہار، خزاں، حیوانات، پرندوں، نباتات کے نظاروں کو موضوع سخن بنایا ہے۔ وہاں 'انا' جیسے موضوع کو خود نگری کو بھی دکھایا گیا ہے۔ یہ خود بینی انا کے تجرید سے مجسم ہونے کے سفر تک کا نتیجہ ہے۔ تجرید کو تجسیم کرنے کا عمل تجسیم کاری اور پرسونیفکیشن کہلاتا ہے۔ پرسونیفکیشن کی تعریف آکسفورڈ کرنزڈکشنری میں یوں کی گئی ہے:

> "The attribution of human form, nature or characteristics to something; the representation of a thing or abstraction of a thing or abstraction as a person… the symbolic representation of a thing or abstraction by a human figure."(14)

گویا تجسیم کاری کا عمل، جامد اشیاء کو جاندار اشیاء میں ڈھالنے کا عمل ہے۔ اختر شیرانی نے انانیت کو خود بین دکھایا ہے اور اس خود نگری کے سفر میں انا کبھی مغرور ہوتی دکھائی گئی ہے اور کبھی کسی دوسرے وجود کے مظہر سے متاثر ہوتی دکھائی گئی ہے۔

اختر شیرانی کا شعری منظر رومانوی فضا کے باعث قاری کے دل کے قریں ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ یہ اس کے زمانے کی شعری فضا تھی جو ادبی افق پر پھیلی ہوئی تھی یا اختر شیرانی کی اپنی رمان پرور طبیعت تھی جس نے دنیا جہاں سے صرف عشق اور جمال کی کیفیات اور سحر انگیزیوں کو کشید کیا۔ فطری مناظر کا ایک نہایت معصوم اور دلکش حصہ چرند پرند ہیں۔ مثلاً ہرن اپنے جمال کے ساتھ شعر و ادب میں خاص مقام رکھتا ہے اور گوناگوں خوبیوں کے باعث اسے مختلف حوالوں سے بیان کیا گیا ہے مگر اختر کے ہاں ''تیتری'' کو موضوع سخن بنایا گیا ہے۔ مثلاً وہ لکھتے ہیں:

"یہ تیتری ہے یا کوئی رنگ پریدہ ہے_____بوئے چکیدہ ہے
آغوش گُل میں یا کوئی نقش دمیدہ ہے____عکس کشیدہ ہے
اُٹھے تو ایک بوسۂ رقصیدہ سامنے
پاشیدہ سامنے
بیٹھے تو ایک لذتِ خوابیدہ سامنے_____دامن کشیدہ ہے
جوئے صبا میں ہلکا سا طوفانِ رنگ و بُو
دوش فضا پہ چھوٹا سا نیسانِ رنگ و بُو____جو صف کشیدہ ہے" (۱۵)

غور کیا جائے تو تیتری ایک خوبصورت پرندہ ہے۔ تیتر کی مادہ ہے اور شعر و ادب میں تیتری کو ایک خوش پوشاک، خوش لباس عورت کے استعارہ کے طور پر برتا گیا ہے۔ تیتری کی آواز بڑے باک اور خبردار پرندے کی آواز ہے۔ تیتری، تیتر

سے جدائی کے لمحوں کو جھیل نہیں پاتی اور اپنے محبوب کو جنگل، بیلے میں تلاش کرتی ہے، پکارتی ہے۔ بیابانوں میں، برساتوں میں تیتری کی آواز خاص دلکشی رکھتی ہے۔ گویا اسکی آواز میں ملن کی شیرینی ہے اور جدائی کے کرب کو نہ سہہ پانے والی بے بسی ہے۔

اختر شیرانی کی نظم نگاری میں تیتری، اپنے جمالیاتی تناظر کے ساتھ موجود ہے اور شیرانی کی شعری جمالیات کا اظہار ہے۔ حسن و عشق کے موضوع کے ساتھ ساتھ اختر نے شراب کی سرمستی کو بھی جابجا تحریر کیا ہے۔ بادہ خواری کے عالم میں ہی کہیں نہ کہیں ہوش بھی رہا ہے جو شاعر کو میخانہ کی تمام جزئیات سے مطلع رکھتا ہے۔ بادہ خواری کی کیفیت کا بیان اگرچہ شعر و ادب کی روایت میں نیا نہیں پھر بھی شیرانی نے جس طور پر اس کے نشے کو قلم میں پرویا ہے اسکا رنگ جدا ہے۔ مے خانے سے اور مے سے گہری وابستگی ان کے مصرعوں میں دیکھی جاسکتی ہے۔

اختر جیسا حساس شاعر زندگی کی تلخیوں کو بادہ خواری میں غلط کرتا ہوا نظر آتا ہے اور کہیں محبوب کی آغوش میں خود کو تقاضا کرتی دنیا سے چھپالیتا ہے اور زمانے کے دیے ہوئے لاعلاج دکھوں کا مداوا وہ حسین راتوں کے جمال میں گزارنا چاہتا ہے۔ شیرانی جیسے شاعر نے کہ جسکو فطرت نے مختلف طرح کے حوادث سے گزارا اور ان حوادث کے نتیجے میں ملنے والے گھاؤ بے انتہاء گہرے تھے۔ سلمیٰ سے دوری، والد کا انکی پرورش سے ہاتھ اٹھالینا اور پھر اسی صورتحال میں والد کا راہی ملک عدم ہو جانا، انتہائی قریبی دوست کی خودکشی، ہجرت جیسے حادثے کے گزرنے کے بعد خاندان کی کفالت کا ذمہ ان کے رقص و سرور کے نشے سے آشنا کندھوں پر آن پڑا اور پھر جواں سال داماد کی ناگہانی موت اور جواں سال بیٹی کی بیوگی۔ یہ سب واقعات شیرانی کی زندگی میں حادثات کی صورت میں اترتے رہے، وہ شاعر زمین پر بیٹھ کر بھی ستارے ہی دیکھتا تھا، جس شاعر کو عنبر فشاں آسماں اپنی طرف بلاتا تھا اور جو شخص عورت کے حسن و جمال میں کھو کر وقت گزارنے کا عادی تھا اور موت کے آجانے تک بھی زندگی کا یہی رنگ چاہتا تھا اس نے زندگی کے ہر لمحے سے شاعری ہی کشید کی۔ رنج و غم کی کیفیات سے نظم کے مصرعوں کو تخلیق کیا اور زندگی کی حسین صورت کو پیش کیا، غالباً شاعری کا اصل حسن بھی فنا اور بقا کے ذکر کے ساتھ ہے۔ اپنی نظم "کبھی کچھ، کبھی کچھ" میں وہ لکھتے ہیں:

"کبھی سوچتا ہوں کہ بن کر مصور
بناؤں وہ تصویر خونِ جگر سے
کہ آجائے پردے سے چھن کر مصوّر
زمانے کو حیرت ہو جس کے اثر سے" (۱۶)

شیرانی جیسا شخص اگر چاہتا تو اپنی زندگی کے واقعات و حادثات کو بیان کر کے اپنے قارئین کے شکستہ دلوں کے ساتھ ایک تعلق بنا سکتا تھا ایسا تعلق جس میں ٹوٹے ہوئے خوابوں کی کرچیاں دونوں مل کر چنتے رہتے مگر شیرانی نے ایسا نہیں کیا۔ اس نے اپنی دنیا محبت کے سحر میں ہی گزار دی۔ اختر کی ایک نظم اپنے وطن سے اور اسکی جزئیات سے جدائی اور محبت کا ثبوت ہے۔ انھوں نے "او دیس سے آنیوالے بتا" میں نظم کے انتہائی لطیف موضوعات کو جمال کی روشنائی سے شاعری کی دیوار پر کندہ کر دیا ہے:

"او دیس سے آنے والے بتا!
کیا اب بھی شفق کے سایوں میں ______ دن رات کے دامن ملتے ہیں؟
کیا اب بھی چمن میں ویسے ہی ______ خوش رنگ شگوفے کھلتے ہیں؟
برساتی ہوا کی لہروں سے ______ بھیگے ہوئے پودے ہلتے ہیں؟" (۱۷)

گویا اپنی دھرتی سے، اسکی مہکتی مٹی سے محبت اختر شیرانی کے شعور ولاشعور میں اس طرح سرایت کیے ہوئے ہے کہ گویا وہ اسکی جزئیات تک سے مانوس ہیں۔ اسی نظم میں وہ اپنے دیس کے پربت، ان پر چلتی، اڑتی گھٹائیں، برکھائیں، وہاں کی سہانی راتیں اور ان میں چاند تاروں کے کھیل کہیں دور افتادہ زماں و مکاں میں بیٹھے تخیل کی مدد سے دیکھتے ہیں اور پوچھتے ہیں کیا اب بھی میرے دیس میں وہی کھیل کھیلے جاتے ہیں کہ جو ہم کھیلا کرتے تھے۔ اسی طرح اپنے وطن کی مالن اور اسکے گندھے ہوئے پھولوں کے ہاروں اور پھر انکے نوعمر خریداروں کو بھی اس نظم میں یاد کیا گیا ہے۔

شام کے وقت چھا جانے والے اندھیرے کو دلچسپ کہہ کر شام کی رونق کی بازگشت کا احساس دلایا ہے اور سڑکوں کی دونوں جانب دھندلی شمعوں کے ساتھ ساتھ باغ کی گھنی شاخوں پر اتر آنے والے سویرے کی راحت کو نظم کیا۔ اسی دیس میں مندر بھی ہے اور مسجد بھی ہے۔ ہر دو عبادت گاہیں اپنے اپنے فرائض کو ادا کرتی سنائی دیتی تھیں مگر جب سے یہ وطن چھٹا ہے شاعر کا یہ حال ہو گیا ہے کہ وہ ناقوس اور اذاں کی آواز کو بھی یاد کرتا ہے اور اسے نوسٹلجیا بنالیتا ہے۔ اختر شیرانی کی ایک نظم "شاعر کی تربت" کا ایک خاص جمالیاتی آہنگ ہے۔ شاعر بذات خود ایک دلکش وجود ہے اور "تربت" سے ہر زندہ انسان کا گہرا تعلق ہے۔ مرنے کے بعد کوئی جی اٹھنے کی یا زندہ ہو جانے کی آرزو رکھتا ہے یا نہیں مگر زندہ انسان زندگی میں کسی نہ کسی موڑ پر موت اور قبر کا ادراک کرلیتا ہے۔ پھر وہ اپنی زندگی کا دھارا دوسری بار ایک الگ سمت میں موڑتا ہے جس سے اسے کم سے کم خسارہ اور زیادہ سے زیادہ ابدیت ملے۔ شاعر کی تربت، کی فضا ایک اداس فضا ہے۔ جمالیات میں رنج و غم اور المیہ کو خاص مقام حاصل ہے۔ اس المیہ کو شعراء تطہیر و صفاء کیلئے استعمال بھی کرتے رہے ہیں۔ رونے سے گویا پاک ہو جانے کا نتیجہ حاصل ہوتا ہے اور انسان پھر سے تازہ دم اور ایک قابل اور متحرک وجود کی صورت میں دنیا میں لوٹ جاتا ہے۔ اس نظم میں شاعر کا المیہ کسی حد تک بیان کیا گیا ہے۔ شاعر کہ جو اپنی زندگی میں محافل کا عادی ہے، حسن و عشق، رقص و سرور کی محفل سے اپنی تیرہ بختی کی جانب اگر نہ جانا چاہے تو اسے اپنے فیصلے پر قدرت حاصل ہے۔ وہ ایک محفل چھوڑ کر دوسری محفل میں چلا جاتا ہے، جہاں اسے روشن آنکھوں اور کھلے دل کے ساتھ خوش آمدید کہا جاتا ہے۔ محفل کی، محبت کی اور حسن کی زندگی ایک شاعر کی طبیعت کو سیر رکھتی ہے۔ مگر ایسی زندگی تابکے۔۔۔۔۔ مذکورہ نظم بعنوان شاعر کی تربت کچھ ایسی ہی المناک حقیقت کو بیان کرتی ہے:

"دامانِ خرابہ زار میں ہے ____ اک شاعرِ نوجواں کی تربت
یا وادئ نوبہار میں ہے ____ اِک نکہتِ رائیگاں کی تربت
آتی نہیں اس طرف ہوائیں ____ شاداب و شگفتہ پھول لے کر
زائر نہیں اشک جو بہائیں ____ سینے میں دل ملول لے کر
شاعر کے الم گسار ہیں جمع ____ تربت پہ ہجوم ہو رہا ہے
شمع و دل داغدار ہیں جمع ____ اور جام بھی خون رو رہا ہے"(۱۸)

گویا شاعر کی قبر کو دیکھ کر ایک شاعر گداز کی کس کیفیت سے گزرتا ہے، شیرانی نے اس نظم میں رقم کر دیا ہے۔ اختر شیرانی کی نظم میں خواہ وہ "وادئ گنگا میں ایک رات" ہو یا ریحانہ کی جنم بھومی کی دلکشی، سلمیٰ سے اٹوٹ عشق ہو یا شاعر کی تربت کی تاریکی و خاموشی، اپنے دیس کے پنگھٹ کی رونق ہو یا عبادت گاہوں میں فرائض کے اوقات میں انسانوں

کی بندگی کا عالم ہو، وادئ نیل کی ملکہ قلوپطرہ کی تصاویر ہوں یا معصومیت و محبت کا استعارہ ''تیتری'' ہو، بادہ خواری کی خاص کیفیت طاری ہو یا اپنے المیہ سے نمٹنتے ہوئے شاعر کا مصور و خالق بن جانے کی خواہش ہو، ہر نظم کی جمالیاتی فضا کا رنگ جدا ہے اور پر تاثیر ہے۔ حسن کا وجود جہاں تناسب کے وجود پر منحصر ہے وہاں کہیں نہ کہیں رہ جانے والی کمی، اچانک در پیش آجانے والے حادثے کے نتیجے میں پیش ہونے والے المیے میں بھی ہے۔ اختر کی شاعری ہر روپ میں جمالیاتی تناظر کی مختلف پرتوں کا اظہار ہے۔

☆☆☆☆☆

حوالے

(۱) ابوالاعجاز حفیظ صدیقی، کشاف تنقیدی اصطلاحات، (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۵ء)، ۶۴۔

(۲) پروفیسر سی۔اے۔ قادر، کشافِ اصطلاحاتِ فلسفہ، (لاہور: بزمِ اقبال ۱۹۹۴ء)، ۹۔

(۳) انور جمال، ادبی اصطلاحات، (اسلام آباد: نیشنل بک فاؤنڈیشن، ۲۰۱۲ء)، ۸۸۔

(۴) محمد حسن، اردو ادب میں رومانوی تحریک، (ملتان: کاروانِ ادب، ۱۹۹۳ء)، ۶۲۔

(۵) اختر شیرانی، کلیات اختر شیرانی، (دہلی: نیو تاج آفس ۔ س ن)، ۱۶۱۔

(۶) ایضاً۔ (۷) ایضاً۔ (۸) ایضاً۔ (۹) ایضاً۔

(۱۰) شکیل الرحمن، ہندوستانی جمالیات، (دہلی: روشن پرنٹرس، ۲۰۱۲ء)، ۳۸۹۔

(۱۱) ایضاً۔

(۱۲) اختر شیرانی، شعرستان، (لاہور: اردو اکیڈمی پنجاب، ۱۹۴۱)، ۱۵۔

(۱۳) ایضاً۔

(14) Oxford University Press, *Oxford Advanced Learner's Dictionary*, (Oxford University Press, 2020), 10th ed., p 1145.

(۱۵) اختر شیرانی، شعرستان، ۲۱۔ (۱۶) ایضاً۔ (۱۷) ایضاً۔ (۱۸) ایضاً۔

References

(1) Abu al-Ijaz Hafeez Siddeqi, Kashaf Tanqedi Istalahat, (Islamabad: Muqtadra Qaumi Zuban, 1985),p64.

(2) Prof. C.A Qadir, Kashaf-e Istalahat-e Falsafa, (Lahore: Bazm-e Iqbal, 1994), p.9

(3) Anwar Jamal, Adabi Istalahat, (Islamabad: National Book Foundation, 2012), p88.

(4) Muhammad Hasan, Urdu Adab men Romanvi Tahreekh, (Multan: Karwan-e Adab, 1993), p62.

(5) Akhtar Sheerani, Kulleyat-e Akhtar Sherani, (Delhi: New Taaj office), p161.

(6) ibid. (7) ibid. (8) ibid. (9) ibid.

(10) Shakeel al-Rehman, Hindustani Jamaliat, (Delhi: Roshen Printers, 2012), p389.

(11) ibid.

(12) Akhtar Sherani, Sh'riat, (Lahore: Urdu Acedemy Punjab, 1941), p15.

(13) ibid.

(14) Oxford University Press, *Oxford Advanced Learner's Dictionary* , (Oxford University Press, 2020) , 10th ed., p. 1145.

(15) Akhtar Sherani, Sh'riat, p21. (16) ibid. (17) ibid. (18) ibid.

❖❖❖